سلسلہ وار

درسِ قرآن ۲۹، اسلام آباد

اسلوبِ سورۃ فاتحہ

اور

نظامِ فکر و عمل

حصہ اوّل

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ادارہ منہاج القرآن اسلام آباد

نام کتاب	......	اسلوب سورۃ فاتحہ اور نظام فکر و عمل
از افادات عالیہ	......	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تاریخ اشاعت	......	۱۴ ستمبر ۱۹۸۸ء
تعداد	......	ایک ہزار
قیمت	......	۴ روپے
خوشنویس	......	شبیر احمد عفی عنہ
ناشر	......	شعبہ نشر و اشاعت، ادارہ منہاج القرآن ۲۷ بی، فرخ پلازہ، مرکز جی ناین، اسلام آباد

✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیبِکَ خَیرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

عرضِ ناشر

ایک سینے میں ہزاروں ولولوں کی کائنات

ایک انساں میں کروڑوں اہلِ ہمت کا سواد

ملتِ اسلامیہ کے عظیم مفکر نابغۂ عصر پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ نے دورِ حاضر میں احیائے اسلام اتحادِ امت اور غلبہ دینِ حق کی بحالی کے جس مقدس مشن کا علم سربلند کیا ہے اس کی نتیجہ خیزی اور قبولیتِ عامہ کا اندازہ ۱۹ جون ۱۹۸۸ء کو ویمبلے کانفرنس سنٹر لندن میں منعقد ہونے والی منہاج القرآن انٹرنیشنل اسلامک کانفرنس کی عظیم الشان کامیابی سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے اس کانفرنس میں الاتحاد العالمی کے نام سے قائم ہونے والی اتحادِ امت کی عالمگیر تنظیم اور ویمبلے ڈیکلریشن بالخصوص انتہائی قابلِ صد ستائش ہیں۔

علاوہ ازیں بارہ جولائی ۸۸ء کو شہر لاہور کے در و دیوار نے دربار داتا گنج بخشؒ سے اٹھنے والی تحفظِ ناموسِ غوث الاعظمؓ کی تحریک کا جو نظارہ کیا تحریک منہاج القرآن کی قبولیتِ عامہ کا منہ بولتا ثبوت ہے ہم ان تمام خوش نصیبوں کو جنہوں نے اپنے گلے میں غلامیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طوق ڈال کر اس تحریک میں حصہ لیا خلوصِ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ رب العزت جل جلالہ اپنے حبیب پاک علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے نعلینِ مقدسہ کے تصدق سے تحریک منہاج القرآن کے سرپرست اور جملہ وابستگان کے حوصلے مزید بلند فرمائے اور انکی توفیقات اور جذبات کی عمر دراز فرمائے۔

قارئینِ محترم ! زیرِ نظر کتابچہ جناب علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی اپنی تصنیف نہیں بلکہ ان کے اس عظیم الشان خطاب کی تحریری صورت ہے جو آپ نے مورخہ ۲۹ فروری ۱۹۸۸ء کو بروز سوموار چوہدری رحمت علی کمیونٹی سنٹر اسلام آباد میں سلسلہ وار درس قرآنِ کریم کی محفل سے فرمایا۔ ادارہ ہذا نے اس خطاب کو آڈیو کیسٹ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرکے آپ کے استفادہ کے لیے پیش کیا ہے۔ آپ سے استدعا ہے کہ طباعت وغیرہ کی غلطیوں سے مطلع فرمائیں۔

دعا ہے کہ مولا کریم ہمیں ان بیش بہا موتیوں سے کما حقہٗ استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

گدائے کوچۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

احمد نواز انجم

نحمده ونصلی ونسلم علیٰ
سیدنا ومولنا محمد رسوله
النبی الامین المکین الحنین الکریم
الرؤف الرحیم ٥

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ٥

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ ١
اَلرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ٢ مٰلِكِ
یَومِ الدِّینِ ٣ اِیَّاكَ نَعبُدُ
وَاِیَّاكَ نَستَعِینُ ٤

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

صدق اللہ مولٰنا العظیم

حضرت محترم صاحبزادہ پیر سید منور علی شاہ صاحب لختِ جگر شیخ المشائخ سید السادات حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری ! محترم مشائخ و علماء کرام ! معزز خواتین و حضرات ! مکرم رفقاء و اراکین اور عزیزانِ گرامی قدر ! **اللہ ربّ العزّت** کا شکر ہے جس نے اپنے لطف و کرم سے اور اپنے احسان و انعام سے اپنی مخلوق کے دلوں کو اپنے دینِ مبین کی خدمت کے اِس مشن کی طرف راغب فرما دیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ کے ان پیارے بندوں کی قلبی رغبتیں اور ذہنی و فکری رجحانات جن کی سمت اور جہت اللہ جل مجدہٗ نے منہاج القرآن کے اِس مشن کی طرف اور درسِ قرآن کے اِس مرکز کی طرف کر دی ہے

میں اللہ جل مجدہ کو گواہ بنا کر اس کی عزت کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ اس میں میرے کسی کسب کا دخل ہے اور نہ کسی اور شے کا۔ فقط اور محض اللہ کا کرم ہے اُس کا احسان ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نعلینِ پاک کا صدقہ ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مالک جب کرم کرتا ہے اور احسان فرماتا ہے تو پھر یہ نہیں دیکھتا کہ یہ کون ہے۔ اس لئے کہ سخی اور کریم لوگوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ کتا بھی دروازے پر آجائے تو لقمہ ڈال دیتے ہیں کبھی خالی نہیں لوٹاتے۔ ہم تو اِس سے بڑھ کر اور کوئی استحقاق نہیں رکھتے سو ہم عمر بھر اُس کے حضور سجدۂ شکر بجا لاتے رہیں تو اس کے ایک احسان اور کرم کا بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ تمام ہزارہا احباب اور افراد جو خدا جانے کتنے سینکڑوں میلوں کی مسافتیں طے کر کے کہاں کہاں سے آج کے درسِ قرآن میں آئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کی حاضری قبول فرمائے۔ ہماری بڑھتی ہوئی مصروفیات کی مجبوریوں کی وجہ سے درسِ قرآن کے سلسلے کی جو متواتر (FREQUENT) ملاقاتیں تھیں، بجائے ماہانہ کے دو ماہی ہو جانے سے جو وقفہ (GAP) آگیا اِس کا مجھے احساس ہے مگر مجبوریاں ہیں اور آپ کو بھی احساس ہے اور اِس سے بڑھ کے اِس احساس کا اندازہ اور کیسے لگایا جا سکتا ہے کہ آج یہ ہال اِس کے برآمدے اس کی گیلریاں اور اس کے باہر کی جگہ جس طریقے سے گو مشکل سے ہی سہی گذشتہ دو سالوں سے درسِ قرآن کے اجتماع کو سنبھالتے آ رہے تھے آج اپنی تنگ دامانی کا برملا اعلان کر رہے ہیں اور اس کی وجہ سے آپ حضرات کو جو زحمت ہو رہی ہے اس کے لئے میں خود بھی اور انتظامیہ اور جملہ رفقاء کی طرف سے بھی آپ سب

احباب سے معافی کا خواستگار ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اِس تکلیف کو معاف کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ سے بے حساب اجر اور جزاء کے مستحق ٹھہریں گے۔

حاضرینِ محترم! اللہ کریم جلّ مجدہٗ کی توفیق سے ہم سورۃ فاتحہ کے مضامین کے بیان میں آج جس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں وہ ہے سورۃ فاتحہ کا اسلوب اور نظامِ فکر و عمل۔ آپ جان چکے کہ سورۃ فاتحہ پورے قرآنِ مجید کی تعلیمات اور معارف و ہدایات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ قرآنِ مجید انسانی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے فکر و عمل کا جو ضابطہ اور نظام عطا کرتا ہے اُس کا مکمل خاکہ اجمالی طور پر سورۃ فاتحہ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

نظامِ فکر و عمل کے آٹھ نکات :

فکر و عمل کا نظام جس کا خاکہ سورۃ فاتحہ کے حوالے سے ہم آج بیان کر رہے ہیں اُس کے آٹھ نکات ہیں۔ گویا سورۃ فاتحہ کے اسلوبِ بیان کی روشنی میں آج ہم آٹھ نکاتی نظامِ فکر و عمل کا جائزہ لے رہے ہیں۔ یہ موضوع عملی اہمیت کا حامل ہے لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ بھرپور توجہ سے اِس بات کو نہ صرف سمجھے بلکہ اپنی زندگی میں عملاً اُتارنے کی کوشش کرے۔ پھر اندازہ ہو سکے گا کہ قرآن کا عطا کردہ فکر و عمل کا نظام اگر اپنا لیا جائے تو زندگی سے ناکامیوں اور نامرادیوں کا تصور کس طرح کلیتاً ختم ہو جاتا ہے۔ ہم ظاہری جدوجہد میں ناکامیوں اور نامرادیوں کا سامنا کرتے ہوئے خدانخواستہ شکوہ کرتے ہیں اور سب اللہ جلّ مجدہٗ کی تقدیر کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی تعلیمات کے ذریعے کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے ایک مکمل فکری اور عملی نظام کا خاکہ ہمیں عطا کر دیا اور اُس پر کامیابی کو منحصر قرار دے دیا۔ فرمایا یہ قرآن کا عطا کردہ فکر و عمل کا نظام ہے آپ اِس کو عملاً اور واقعتاً زندگی میں اپنالیں تو کامیابیاں آپ کے قدموں کے قریب آتی چلی جائیں گی اور اگر ہم صدق و اخلاص سے اُس نظام کو اپنا نہ سکیں تو صاف ظاہر ہے کہ پھر کامیابیاں دُور رہیں گی۔ قرآنِ مجید کی سورۃ فاتحہ کو سامنے رکھ کر جب ہم اِس آٹھ نکاتی نظامِ فکر و عمل کا جائزہ لیتے ہیں تو اُس کا خاکہ خلاصۃً یوں بنتا ہے:

۱۔ صحتِ عقیدہ (اخلاص فی الایمان)

۲۔ صحتِ عمل (اخلاص فی العمل)

۳۔ فکرِ احتساب و مسؤلیت

۴۔ منزلِ مقصود کا صحیح تعین

۵۔ جدوجہد میں استقامت و استقلال

۶۔ حصولِ مقصد میں کامیابی کا پختہ یقین

۷۔ اہلِ حق کی پہچان اور اُن کی مصاحبت و معاونت اور

۸۔ اہلِ باطل کی پہچان اور اُن سے خصومت و عدمِ معاونت

صحتِ عقیدہ

جب ہم سورۃ فاتحہ کی پہلی تین آیات کریمہ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں سورۃ فاتحہ کی روشنی

میں صحتِ عقیدہ کا پورا سبق تفصیل کے ساتھ میسر آتا ہے۔ اسلامی عقیدے کی عمارت فی الواقع تین بنیادی ستونوں پر قائم کی گئی ہے اور وہ ہیں عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت۔ عقیدے کی صحت کا اہتمام کرنا آٹھ نکاتی نظامِ فکر و عمل کا پہلا نکتہ ہے جبکہ بعض اوقات ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ عقیدہ تو انسان کا ہوتا ہی ہے اصل بات تو یہ ہے کہ عمل کی اصلاح کرنی چاہیے۔ دوستو! یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ یہ تصور غلط ہے اس لئے کہ عقیدہ ہمیشہ عمل پر مقدم ہوتا ہے۔ ہر عمل کسی نہ کسی فکر پر استوار ہوتا ہے اُس کے پیچھے کوئی نہ کوئی تصور ہوتا ہے جو اُس عمل کا محرک بنتا ہے۔ اُس عمل کی صورت گری کرتا ہے اور اُس عمل کو زندگی میں وجود دیتا ہے تو جب تک وہ فکر و تصور درست نہ ہو جائے، درست عمل کبھی بھی وجود میں نہیں آسکتا۔

عقیدہ اور عمل :

عقیدے اور عمل کا تعلق (RELEVANCE)

آپ سمجھ لیں۔ بڑا اہم نکتہ ہے۔ اُس فکر اور تصور کو جو درحقیقت عمل کا صورت گر ہو عقیدہ کہتے ہیں۔ جب کسی انسان کو کوئی فکر اور تصور ملتا ہے تو اُس فکر اور تصور سے اُس کی نیّت جنم لیتی ہے، اُس نیت سے اُس کا ارادہ وجود میں آتا ہے۔ اور ارادہ تکمیل چاہتا ہے۔ تو جب ارادے کی تکمیل ہوتی ہے تو عمل وجود میں آتا ہے۔ گویا عقیدے کے کئی درجے بعد جا کر عمل کو وجود ملتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص فقط عمل کی اصلاح پر زور دے اور صحتِ عقیدہ کی بات کو نظرانداز کر دے۔ اور یہ سمجھے کہ عمل ہی کی اصلاح پر سارا دارو مدار ہے، تو یہ تصوّر اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی درخت کی جڑ کا خیال رکھے بغیر اس سے اچھے پھل کی اُمید رکھ بیٹھے

اور کہے کہ اگر جڑ گل گئی ہے تو گلتی پھرے مجھے تو پھل سے غرض ہے ۔ میں تو چاہتا ہوں کہ پھل سلامت رہے ۔ تو اے نادان دوست ! پھل سلامت نہیں مل سکتا جب تک جڑ سلامت نہ ہو ۔ اس لئے کہ تجھے جڑ کی اہمیت اس لئے معلوم نہیں کہ وہ نظر نہیں آرہی اور پھل کی اہمیت اس لئے معلوم ہے کہ وہ دکھائی دے رہا ہے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو چیزیں نظر نہیں آتیں حقیقت وہی ہوتی ہیں اور جو نظر آتی ہیں یہ اُن غیر مرئی حقیقتوں کا پرتو ہوتا ہے ، اُس کا نتیجہ ہوتا ہے ، اُس کا اثر ہوتا ہے ۔ تو عمل کا پھل ، اطاعت کا پھل ، اتباع کا پھل تب بہتر ہو سکتا ہے جب عقیدے کی جڑ سلامت ہو ۔ اگر اُس میں کوئی کجی کمی ہو گئی تو اچھا پھل کبھی بھی میسر نہیں آسکتا ۔

اگر جڑ کو پانی نہ ملا ، اُس کی حفاظت نہ ہوئی اور وہ گل سڑ گئی تو اس خراب جڑ سے جنم لینے والے درخت سے اچھے پھل کی توقع کبھی بھی نہیں کی جا سکتی ۔ اس کے برعکس اگر پھل گل سڑ گیا اور خراب ہو گیا مگر جڑ سلامت ہے تو سو بار اچھے پھل کی توقع رہے گی ۔ اگر جڑ سلامت ہے تو پھل لگتا ہی رہے گا ۔ آج اگر اچھا نہیں تو کل لگ جائے گا ، کل نہیں تو پرسوں بہتر پھل لگ جائے گا ۔ اگر دو شاخوں کے پھل خراب ہوئے تو تیسری شاخ کا بہتر ہو جائے گا ۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر جڑ اور اصل سلامت ہے تو پھل کی سلامتی کی امید رکھی جا سکتی ہے لیکن اگر جڑ اور اصل ہی خراب ہو جائے تو پھل کی سلامتی کی امید نہیں رکھی جا سکتی لہٰذا اگر پھل خراب ہو جائے تو اس کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی جڑ کے گل جانے کی ۔ تو شجرِ اسلام میں عقیدے کو جڑ کی حیثیت حاصل ہے اور عمل کو پھل کی ۔ اسی لئے صحتِ عقیدہ کو مقدم رکھا گیا اور صحتِ عمل کو اس پر مؤخر کیا گیا ۔

اگر عقیدے میں کمی رہ جائے تو عمل کی کثرت اس کمی کو پورا نہیں کر سکتی لیکن اگر عمل میں کمی رہ جائے اور بگاڑ آ جائے مگر عقیدہ درست ہو تو اس کی درستگی کسی نہ کسی طور پر عمل کی کمی کو پورا کر سکتی ہے۔ اس کی تلافی کر سکتی ہے' اس کے بگاڑ کا خاتمہ کر سکتی ہے۔

عقیدے کا عمل پر مقدم ہونا حدیثؐ کی روشنی میں

ایک صحابیؓ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں کھڑے ہوئے۔ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! قیامت کب آئے گی؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو گفتگو فرما رہے تھے جب ختم کی تو پوچھا وہ سائل کہاں ہے جس نے قیامت کے بارے میں پوچھا تھا؟ وہ صحابیؓ کھڑے ہوگئے۔ آپؐ نے فرمایا: اے قیامت کا پوچھنے والے! یہ بتا کہ تو نے اس کے لئے تیاری کیا کر رکھی ہے؟ کیا ہے تیرے پاس؟ اس صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم!

ما اعددت لھا من کثیر صلوٰۃ وصوم الا انی احب اللّٰہ ورسولہ[1]

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں اس معاملے میں کچھ پریشان ہوں' کثرت کے ساتھ نمازیں اور روزے تو جمع نہیں کر سکا مگر ایک بات ہے کہ میں دل میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت ضرور رکھتا ہوں۔ یہ بات قابل توجہ ہے۔ صحابیؓ کا یہ کہنا کہ میں کثرت کے ساتھ نماز' روزہ اور عبادتوں کو تو جمع نہیں کر سکا یعنی عمل کی کثرت تو میرے پاس نہیں ہے

---

[1] مشکوٰۃ شریف

یہ پہلو کمزور ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ تو اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرنا عمل ہے یا عقیدہ ؟ یہ عقیدہ ہے اور محبت اگر بڑھتی چلی جائے اور بڑھ بڑھ کے عشق بن جائے، جنوں تک پہنچ جائے تو عقیدہ مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ گویا عقیدے کی مضبوطی محبت سے ہوتی ہے، فقط کثرتِ عمل سے نہیں ہوتی۔

اس صحابیؓ نے جو بات کہی اس میں ترتیب کے لحاظ سے عمل کا بیان مقدم ہے اور عقیدے کا مؤخر۔ اس کے ذہن میں یہ تھا کہ نجات کا دارومدار شاید عمل کی کثرت پر ہے اس لئے ما اعددت لہا کے جواب میں قلتِ عمل کا ذکر کیا کہ وہ تیاری تو میرے پاس نہیں ہے لیکن جو محبت اور عقیدے کی بات کی، وہ اُس کے لئے اُمید کی ایک کرن تھی کہ شاید اِس سے بات بن جائے۔ تو عقیدے کا بیان بعد میں کیا اور عمل کا پہلے۔ اب چاہیئے تو یہ تھا کہ سائل نے بات جس ترتیب سے کہی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی جواب اسی ترتیب سے عطا فرماتے۔ عام طریقہ تو یہی ہے کہ سائل جو بات پہلے کرے اُس کا جواب پہلے دیا جائے اور جو بات بعد میں کرے اُس کا جواب بعد میں۔ مگر اللہ کے نبیؐ کے ہاں یہ طریقہ نہیں بلکہ نبیؐ کی ہر بات دوسرے کی اصلاح کے لئے ہوتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جواب دیا تو اُس صحابیؓ کے بیان میں عمل اور عقیدے کی جو ترتیب تھی آپؐ نے اس کو بدل دیا۔ اس نے پہلے عمل کی بات کی تھی بعد میں محبت اور عقیدے کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں عقیدے اور محبت کو پہلے بیان کیا اور عمل کو بعد میں فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَلَہٗ مَا اکْتَسَبَ [1] ۔ میرے صحابیؓ ! گھبرا نہیں جس کو جس سے

---

[1] مشکوٰۃ شریف

محبت ہوگی قیامت کے دن اُس کا حشر و نشر اُسی کے ساتھ ہوگا۔ رہ گیا عمل تو جو جتنا کمائے گا اتنا اجر اور جزاو سزا پائے گا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ترتیب کیوں بدلی؟ یہ بھی تو فرما سکتے تھے کہ جو شخص جتنا عمل کرے گا اُس کی جزاو سزا پائے گا اور جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی اُس کا حشر و نشر اُس کے ساتھ ہوگا۔ تو پھر سائل کے بیان کی ترتیب بھی قائم رہتی۔ مگر جواب دیا تو ترتیب بھی بدل دی۔ جس سے پتہ چلا کہ اُس صحابیؓ کے ذہن میں جو بات اور تصوّر تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام اُس کی اصلاح فرمانا چاہتے تھے اُس کے ذہن میں چونکہ یہ تھا کہ شاید کثرتِ عمل ہی سے بخشش ہوگی لہٰذا اُس نے اُس کا ذکر پہلے کیا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اے صحابیؓ کثرتِ عمل کی اہمیت کا انکار نہیں اس لئے کہ عمل صالح کی اہمیت میں ہی تو تمہیں ہر وقت بتاتا رہتا ہوں وہ اپنی جگہ بجا۔ مگر بخشش و مغفرت کا دارو مدار اصلاً عمل کی کثرت پر نہیں، محبت پر ہے اور عقیدے کی اصلاح پر ہے۔ جس کا قلبی تعلق جتنا اللہ کے ساتھ درست ہے اور جس کے دل کی ڈوریاں جتنی میری ذات کی محبت کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں قیامت کے دن اُس کی بخشش کا مدار اُسی پر ہے۔

اسی طرح آپؐ نے اس صحابیؓ کی اصلاح فرما دی۔ بیان کی ترتیب بدل دینے میں حکمت یہ تھی کہ پہلے فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی اُس کا حشر و نشر اُسی کے ساتھ ہوگا۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے حشر و نشر کی بنیاد محبت کے تصوّر پہ ہے۔ یہی صحت عقیدہ ہے اور اُس کے بعد فرمایا وَلَهٗ مَا اكْتَسَبَ۔ جو جو کچھ کمائے گا اُس کا اجر، جزا اور سزا پائے گا وہ منسوخ نہیں ہوگا تو محبت کو پہلے اور عمل کو بعد میں

بیان کر کے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اصل بات سمجھا دی۔ صحابیؓ نے جب یہ کہا کہ انی احب اللہ ورسولہ تو محبت کے اس بیان کے لئے دو الفاظ استعمال کئے۔ عرض کیا: میں اللہؐ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محبت کا جو مفہوم متعین فرمایا اُس کے لئے آپؐ نے صرف ایک لفظ استعمال کیا۔ فرمایا المرء مع من احب ۔ جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی اُس کا حشر نشر قیامت کے دن اُسی کے ساتھ ہوگا۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حشر نشر اللہؐ کے ساتھ ہوگا یا اللہؐ کے رسولؐ کے ساتھ؟ بے شک اللہؐ کے رسولؐ کے ساتھ ہوگا اس لئے کہ اللہؐ تو خود حساب کتاب لینے والا ہوگا۔ تو دوستو! یہ بات ہی مخلوق کی ہو رہی ہے اللہؐ کے ساتھ کسی کا حساب وکتاب نہیں وہ تو اس دن کا مالک ہوگا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نکتہ سمجھا دیا کہ عنوان تو دو محبتوں کا ہے مگر مضمون فقط ایک ہے۔ اے صحابیؓ! تم نے اگر یہ کہہ دیا کہ مجھے اللہؐ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دراصل یہ کہہ رہے ہو کہ یا رسولؐ اللہ! میں اعمال کی کثرت اور ذخیرے کو جمع نہ کرسکا مگر دل میں آپؐ کے ساتھ محبت ضرور ہے تو اے خوش نصیب! تمہیں مبارک ہو اگر تیرے دل کے آئینے میں میری محبت کی چمک دمک ہے اور تیرے دل کی تختی پر میری محبت کے نقوش ثبت ہیں تو خوش نصیب ہے تو کہ تیری بخشش کا سامان ہوگیا۔ رہ گیا عمل تو جس کے اعمال جیسے ہوں گے وہ اسی کے مطابق جزا وسزا پالے گا۔

بخشش کا دارومدار: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ فرمایا کہ کسی شخص کی بخشش محض اعمال کی بناء پر نہیں ہوگی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپؐ کی بھی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں میری بھی۔ صحابہؓ نے پھر عرض کیا حضورؐ! کیا آپؐ کی بھی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں میری بھی۔ صحابہ کرامؓ نے تیسری مرتبہ پھر عرض کیا حضورؐ! آپؐ کی بھی؟ فرمایا ہاں اللہ کی عزت کی قسم میری بخشش بھی محض اعمال کی بنا پر نہیں ہوگی۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ! پھر بخشش کس بنا پر ہوگی؟ فرمایا فقط اللہ کے فضل سے۔ دوستو! بخشش کی حقیقی بنیاد عمل بھی نہیں اللہ کا فضل ہے۔ عمل کی کیا ضمانت کہ مقبول ہو یا نہ ہو۔ تو عمل پہ گھمنڈ نہیں کیا کرتے۔ عمل پہ بھروسہ کرنا انسان کو تکبر سکھاتا ہے اور محبت چونکہ اللہ کے فضل کی بات ہے سو انسان جھکا رہتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ میرے پلے تو کچھ نہیں اُس نے کرم کر دیا تو بخشا جاؤں گا چنانچہ سورۃ فاتحہ نے انسانی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے جو فکر و عمل کا نظام عطا کیا اُس میں صحتِ عقیدہ کو مقدم رکھا اور صحتِ عمل کو مؤخر۔

اسلوبِ سورت اور صحتِ عقیدہ: صحتِ عقیدہ کے تین ارکان توحید، رسالت اور آخرت کو سورۃ فاتحہ کی پہلی تین آیتیں درست کرتی ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o عقیدۂ توحید کو درست کرتی ہے۔

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ عقیدۂ رسالت کو درست کرتی ہے اور مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ عقیدۂ آخرت کو درست کرتی ہے۔ یہ تینوں آیتیں تینوں بنیادی عقائد کی اصلاح اور صحت کے لئے ہیں۔

عقیدۂ توحید: الحمد للہ رب العالمین میں ارشاد ہوا کہ حقیقی حمد کا سزاوار فقط اللہ ہے جو ساری کائناتوں کا رب ہے، جو ساری کائناتوں کا پروردگار ہے اور ساری کائناتوں کی کفالت فرمانے والا ہے تو جب حمد کا حقیقی سزاوار فقط اللہ ہے تو مطلب یہ ہوا کہ ساری خوبیاں اور سارے کمالات اُسی کے لئے ہیں۔ تو الحمد للہ رب العالمین نے اعتقادی توحید کے ساتھ ساتھ عملی توحید بھی سکھادی کہ جب ساری خوبیاں اور سارے کمالات فقط اسی کے لئے ہیں تو حقیقی حمد بھی اُسی کی شان ہے اور جب سارے جہانوں کی پرورش اور کفالت اُس کی شان ہے تو توکل اور بھروسہ بھی فقط اسی پر کرو۔ مادی اسباب اور دنیوی ذرائع و وسائط کو استعمال میں لاؤ مگر بھروسہ فقط اس پر کرو جو رب العالمین ہے۔ گویا العالمین سے واسطہ رکھو ان کو استعمال میں لاؤ مگر بھروسہ العالمین پر نہیں ربّ العالمین پر رکھو۔ توحید کا نچوڑ سمجھا دیا۔ دوستو! اگر الحمد للہ رب العالمین کا یہ جوہر اور یہ حقیقت سمجھ میں آجائے تو عقیدۂ توحید کی اصلاح ہو جاتی ہے مگر ہم ہیں کہ نام ربّ العالمین کا لیتے ہیں مگر بھروسہ اُس پر نہیں بلکہ دنیوی اسباب پر، ذرائع اور وسائط پر کرتے ہیں۔ یہ ہمارے عقیدے اور ایمان کی کمزوری ہے۔

عقیدۂ رسالت :

دوسری آیت میں فرمایا: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اس میں اللہ پاک کی بے پناہ رحمتوں کا بیان ہے

نبوّت رحمتِ الٰہی کی اعلیٰ ترین صورت :

سورۃ فاتحہ کی یہ دوسری آیتِ کریمہ عقیدۂ رسالت کی اصلاح کرتی ہے۔ آپ کے ذہنوں میں ضرور یہ سوال پیدا ہوگا کہ یہاں تو اللہؐ کی شانِ رحمت بیان ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ عقیدۂ رسالت کا کیا تعلق ہوا؟ تو دوستو! اللہؐ کی شانِ رحمت ہر جگہ ہے۔ زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو میں اُس کی رحمتیں کارفرما ہیں مگر اس کائنات میں اُس کی رحمت کی سب سے بڑی علامت اور سب سے عظیم صورت یہ ہے کہ وہ اپنی کمال درجہ رحمت کے ساتھ بھولی بھٹکی انسانیت کو ہدایت دیتا ہے اور اسی رشد و ہدایت کا سامان وہ انبیاءؑ کو مبعوث کر کے فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ پاکؐ کی رحمانیت اور رحیمیت کی ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں شکلوں میں سب سے اعلیٰ شکل یہ ہے کہ وہ پیکرِ نبوت کی شکل میں اپنی ہدایت سے اپنی انسانیت کو بہرہ ور کرتا ہے۔ تو نبوت و رسالت اللہؐ کی رحمت کی سب سے بڑی شان ہے۔

ذکرِ رسُول عین ذکرِ الٰہی ہے :

سورت انشراح میں ارشاد ہوتا ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ط اس آیتِ کریمہ کا ایک معنیٰ جو کثرت کے ساتھ کتب احادیث و سیر میں آیا ہے یہ ہے کہ اے محبوبؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم! ہم نے تمہارے

لیے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا۔ گویا اللہ پاک نے فرمایا: اذا ذکرت ذکرت معی محبوبؐ! تمہارا ذکر بلند کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اب یہ قانون بنا دیا گیا کہ جب اور جہاں میرا ذکر ہو گا تمہارا ذکر ساتھ ہو گا۔

مگر اللہؐ کی شانِ رحمت کو عین رسالت قرار دینے کے حوالے سے اس آیتِ کریمہ کا ایک دوسرا معنیٰ ہے جو غالباً حضرت امام جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ سیّدنا امام جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آلِ پاکؓ کے امام ہیں اور گھر کی بات گھر والوں سے بہتر کون جانتا ہے؟ تو امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیتِ کریمہ کا معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ اے محبوبؐ انی جعلت ذکرک ذکری میں نے تمہارے ذکر کو عین اپنا ذکر بنا دیا ہے۔ تمہارا ذکر کرنا اب تمہارا ذکر تصور نہ ہو گا بلکہ میرا ذکر تصور ہو گا۔ اگر کوئی شخص ساری رات تمہارے حُسن و جمال کی بات کرتا رہے، تمہارے زلف و رخسار کی بات کرتا رہے، تمہارے معجزات و کمالات کی بات کرتا رہے، تمہارے محاسن کی بات کرتا رہے، تمہاری سیرت و کردار کی بات کرتا رہے، تمہارے احوالِ حیات کی بات کرتا رہے، تمہاری نبوت و رسالت کا تذکرہ کرتا رہے تو ساری رات ذکر تیرا کرتا رہے لیکن جب نامۂ اعمال دیکھے گا تو میرا ذکر لکھا ہو گا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا ذکر اللہؐ کے ساتھ ملا دینا اور حضورؐ کے ذکر کو اللہؐ کی طرف سے بلند کر دیا جانا اس کا معنیٰ یہ ہے

کہ اے محبوب! آج کے بعد میں نے تمہاری رسالت کے ذکر کو اپنی توحید کا ذکر بنا دیا ہے۔ چنانچہ آج کے بعد جو شخص تمہاری رسالت کا ذکر کرے گا اُس کے نامۂ اعمال میں لکھا ہوگا کہ یہ میری توحید کا ذکر کرتا رہا، میری ربوبیّت کا بیان کرتا رہا۔ تو الرحمٰن الرحیم ہے تو اللہ کی شانِ رحمت مگر یہ ذکر سارا حضورؐ کی رسالت کا ہے۔ چونکہ اللہ کی شانِ رحمت کا نقطۂ کمال نبوّت و رسالت ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی رسالت امت کے حق میں رحمت ہے اسی لئے فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ٥ محبوبؐ! ہم نے تمہیں ساری کائناتوں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

جب یہ بات طے پا گئی کہ نبی کا وجود اور اس کی نبوت و رسالت اللہ کی رحمت ہوتی ہے تو عقیدۂ رسالت کی صحت یوں ہوئی کہ بھروسہ کرنا ہو تو اللہ کی خالقیت و ربوبیّت پہ کرے، توکّل ربّ العالمین پہ کرے۔ خالق و مالک اُسی کو مانے، حاجتوں اور ضرورتوں کا کفیل فقط اُسی کو جانے، پرورش کرنے والا فقط ربِّ ذوالجلال کو تسلیم کرے۔ پس اگر یہ اعتقاد درست ہو گیا تو توحید سنور گئی اور الرحمٰن الرحیم کے حوالے سے اللہ کی اس رحمت کا تصوّر عقیدۂ رسالت کی درستگی کے لئے یہ جانے کہ جتنی رحمتِ خدا ملے گی اُس کا واسطہ محمّد عربی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں۔ رحمت و رسالت کا تعلق اور عقیدۂ رسالت کی صحت یہ کہ ملے گا سب کچھ وہاں سے مگر جس کو جو کچھ ملے گا بواسطۂ رسالت ملے گا ؎

خیرات دیتا ہے خدا ہر وقت تیرے نام کی
جس کو ملا جو کچھ ملا جتنا ملا صدقہ تیرا

ربطِ توحید و رسالت: اللہ کی ساری نعمتیں اور رحمتیں جس کو جتنی ملیں گی اور جب بھی ملیں گی حضورؐ کی وساطت ہی سے ملیں گی ۔ یہ توحید اور رسالت کا باہمی ربط ہے کہ رحمت ہے تو اللہؒ کی مگر جس کو جتنی ملے گی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے واسطے ہی سے ملے گی ۔ گویا حضورؐ کی نبوت و رسالت کی دہلیز واسطہ رحمتِ الٰہیہ ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ذات اور آپؐ کی رسالت کو ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی جملہ رحمتوں کے لیے واسطہ اتم ، واسطۂ وحید اور واسطہ کامل تصوّر کیا جائے ۔ اگر یہ عقیدہ سنور گیا تو عقیدۂ رسالت درست ہو گیا۔

میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ جس طرح فقط یہ مان لینا کہ اللہ ایک ہے لیکن اُس کی عبادت بھی نہ کریں ، اس پر بھروسہ بھی نہ کریں ، اس پر توکل بھی نہ کریں ، جملہ حاجات کا کفیل بھی کسی اور کو مانیں یعنی یہ ساری باتیں دگرگوں رہیں اور اُس کی وحدانیت کا پرچار کرتے پھریں تو کیا عقیدۂ توحید درست ہوگا ؟ جس طرح اِس گڑبڑ سے عقیدۂ توحید درست نہیں ہوتا اور اس میں شرک کی آمیزش ہو جاتی ہے اسی طرح حضورؐ کو فقط آخری نبیؐ مان لینا اور کہنا کہ ان پر ایمان لانا چاہیئے اور اُن کی سیرت کی اتباع اور پیروی کرنی چاہیئے محض اتنا بات کر لینے سے عقیدۂ رسالت بھی درست نہیں ہوتا ۔

عقیدۂ توحید کی خاصیت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ توکل کی ڈوری فقط اللہؒ کے فضل کے ساتھ بندھی ہو ۔ جبینِ نیاز فقط اللہؒ کی بارگاہ میں جھکے ۔ دستِ سوال فقط اللہؒ کی بارگاہ میں دراز ہو ۔ نظر فقط اُسی کی خالقیت اور

ربوبیت پر رہے اور سارے اسباب دنیوی کٹ جائیں تو تب بھی ایمان متزلزل نہ ہو۔

اور دوستو! عقیدۂ رسالت کی صحت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ زندگی میں جو بھی نعمت ملے، اعتقاد یہ ہو کہ اگر رسول ﷺ کا واسطہ نہ ہوتا تو ہرگز نہ ملتی۔ اگر یہ تصور نہ رہا تو اُدھر شرک فی التوحید تھا اِدھر شرک فی الرسالت ہوگیا۔ وہاں بھی شرک ہے یہاں بھی شرک ہے۔ جس طرح اعلیٰحضرتؒ نے کیا خوب کہا ہے:

کوئی مانے یا نہ مانے اپنا تو یہی عقیدہ رہا ہے

خدا دیتا ہے لیکن دیتا ہے صدقہ محمد ﷺ کا

اللہ جل مجدہٗ نے قرآن مجید میں خود ارشاد فرمایا کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ ہم ہی تو ہیں جو سب کو دیتے ہیں، سب کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، سب کی جھولیاں رحمت سے بھرتے ہیں۔ سب کو سب کچھ ہم ہی دیتے ہیں۔ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ مگر محبوب ﷺ! یہ سب کچھ تیرے رب کی عطا سے ملتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولا کریم جن کو دیتا ہے کیا اُن کا رب نہیں ہے؟ بے شک وہی سب کا رب ہے تو جب واضح طور پر فرمادیا کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ کہ ہم ہی ہر ایک کو عطا کرتے ہیں تو چاہئے تھا کہ کہا جاتا هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّهِمْ کہ یہ سب اُن (لوگوں) کے رب کی عطائیں ہیں۔ مگر نہیں عطاؤں کا ذکر کیا مگر اپنی شانِ ربوبیت کے بیان میں فرمایا محبوب ﷺ! یہ سب تیرے رب کی عطا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کو پتہ چل جائے کہ دیتا تو رب ہے مگر اس لئے دیتا ہے کہ وہ محمد ﷺ کا رب ہے۔ حاضرینِ محترم! اس آیتِ کریمہ پر غور

کیجئے۔ کیا اس کے علاوہ اس کی کوئی اور وضاحت ہے؟ اگر ارشاد ہوتا هٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّهِمْ۔ یہ اُن کے رب کی عطا ہے تو واسطہ کٹ جاتا۔

بدقسمتی ہے کہ ہم نے دین کے ٹکڑے کر ڈالے۔ بعضوں کی کیفیت تو یہ ہو گئی ہے کہ فقط مجرد توحید کی بات ہوتی رہے تو سر دھنتے رہتے ہیں اور شانِ رسالتؐ کا بیان ہو تو اُتنا مزا نہیں آتا۔ یہ ایک حالت ہے اور دوسری حالت یہ ہے کہ بیشک حضورؐ کی بات ہوتی رہے تو لطف آتا ہے جوش و خروش رہتا ہے مگر جب اللہؒ کے ذکر کی بات آئے اس کی توحید اور شانِ الوہیت کی بات ہو تو طبیعتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ وہ ذوق شوق اور ولولہ نہیں رہتا۔ لیکن دوستو! ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہؒ کا ذکر آئے تو اُس کے جوش و ولولے کا انداز اپنا ہو۔ حضورؐ کا ذکر آئے تو اُس کے جوش و خروش کا انداز بھی اپنا ہو۔ یہ جدائی ختم کر دینے کا نام دین ہے۔

چنانچہ فرمایا: محبوبؐ! انہیں توحید کا مفہوم بھی سمجھا دو اور رسالت کا بھی۔ توحید یہ ہے کہ كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ ہم ہی ہر ایک کو عطا کرتے ہیں اور رسالت کی بات یوں کہ لینے والا کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ براہِ راست اُس کو اس کی وجہ سے مل رہا ہے وہ اس کا رب ہے اس لئے اسے دے رہا ہے۔ نہیں، رب تو بیشک وہ ہر ایک کا ہے مگر تمہیں جو مل رہا ہے وہ تمہارے رب کے حوالے سے نہیں ربِّ محمدؐ کے حوالے سے مل رہا ہے۔ تو رسالت کا عقدہ یوں کھلا کہ ربؒ کی عطائیں اور نوازشیں چاہتے ہو تو اس کے محبوبؐ کے دامن سے لپٹ جاؤ۔ جو شخص جتنا اس

محبوب کا ہوتا چلا جائے گا اتنی ہی رب کی عطائیں اور نوازشات اس پر بڑھتی چلی جائیں گی
بلا تشبیہ و بلا مثال فقط سمجھانے کے لئے بات عرض کر رہا ہوں۔ اللہ پاک ان چیزوں سے پاک ہے کہ جیسے کوئی شخص بیرونِ ملک جب بھی دورہ کر کے آتا' رنگا رنگ تحائف لے آتا اور اپنے بیٹے کو تو دیتا ہی تھا' بیٹے کے دوستوں کو بھی دیتا رہا۔ کئی سال گزر گئے اُس نے دیکھا کہ بیٹے کے دوستوں میں سے کچھ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ شاید یہ ہمارا اپنا حق ہے اور ہمیں اس دوست کی وجہ سے نہیں ملتا بلکہ ہماری اپنی وجہ سے ملتا ہے۔ اُس نے محسوس کیا کہ یہ میرے بیٹے سے تعلق کم رکھتے ہیں اور براہِ راست مجھ سے تعلق رکھنے لگے ہیں۔ اس خیال سے کہ دینے والا جو وہی ہے تحفے لا لا کر جو وہی دیتا ہے لہٰذا اُسی سے تعلق رکھیں چنانچہ اُس نے بیٹے کے ذریعے سب کو بُلا بھیجا اور کہا: خبردار! بے شک میں تمہیں اتنے عرصے سے تحائف دیتا رہا ہوں مگر یاد رکھو کہ تمہیں تمہاری وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے ملتا رہا ہے کہ تم میرے بیٹے کے دوست ہو۔ سو اگر آئندہ بھی چاہتے ہو کہ یہ عطائیں قائم رہیں تو اِس سے دوستی کو قائم رکھنا۔ اگر تم اِس سے کٹ گئے تو میری عطائیں تم سے کٹ جائیں گی۔

چنانچہ باری تعالیٰ نے فرمایا لوگو! بے شک ہم تم سب کو دیتے ہیں مگر خبردار کہیں یہ خیال کر بیٹھنا کہ جب دینے والا رب ہے تو رسولؐ کے واسطے کی کیا ضرورت؟ ہم براہِ راست دینے والے سے تعلق رکھ لیں۔ نہیں۔ بے شک میں سب کا رب ہوں اور سب کو دینا میری شان ہے لیکن میں نے ہر کام کا ایک ضابطہ بنا رکھا ہے۔

اگر میرا قرب چاہتے ہو تو میرے حبیبؐ کے دامن کو تھامے رکھو۔ اس کے بن کے رہو گے تو میری عطائیں خاص طور پر اترتی رہیں گی۔ اس سے کٹ گئے تو میری خصوصی عطاؤں سے کٹ جاؤ گے اور پھر فرمایا ماکان عطاء ربک محضورا محبوبؐ! تمہارے رب کی عطا کبھی بھی بند ہونے والی نہیں ہے۔ پچھلے بھی لیتے رہے تمہارے رب کی بارگاہ سے اور اگلے بھی قیامت تک لیتے رہیں گے تمہارے رب کی بارگاہ سے۔ اس طرح توحید اور رسالت دونوں کا تعلق واضح فرمادیا۔

عقیدۂ آخرت:

فرمایا مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ط وہ یوم جزاو سزا کا مالک ہے۔ اس آیت کریمہ سے عقیدۂ آخرت کے درست ہونے کا مفہوم ملتا ہے کہ توحید و رسالت پر اعتقاد درست ہونے کے بعد آخرت پر ایمان رکھنا ناگزیر ہے تاکہ انسان کے دل پہ ہمہ وقت یہ خیال محیط رہے کہ میں جو کچھ اس دنیا میں کر رہا ہوں اس پر باز پرس بھی ہو گی۔ یعنی اللہ پاک نے جو نعمتیں مجھے بواسطہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا کیں میں نے ان کا شکر ادا کیا یا کفرانِ نعمت کیا' اس کے بارے میں پوچھا جائے گا اس نبیؐ کے ذریعے اللہ پاک نے جو راستہ ہدایت عطا کیا پوچھا جائے گا کہ میں اُس راستے پہ چلا یا اس سے ہٹ گیا۔ جو حکم اللہ نے مجھے پہنچائے پوچھا جائے گا کہ اُن کی تعمیل کی یا انحراف کیا۔ الغرض اگر یہ خیال ہمہ وقت محیط رہے کہ جتنی چیزیں مجھے ملیں اُن کا حساب ہو گا۔ میرے ہر عمل پر جواب طلبی ہو گی۔ ہر عمل پہ باز پرس ہو گی۔

سزا ملے گی یا جزا ملے گی ۔ یعنی اس کی زندگی میں اگر احتساب کا تصور رہے تو وہ اپنے عمل کی اصلاح کرتا رہتا ہے اور پھر عقیدۂ آخرت کا یہ تصوّر اگر ایک زندہ حقیقت بن کے اُس کے دل و دماغ میں محیط ہو جائے تو اس کا ایک قدم بھی غلط راستے کی طرف نہیں اُٹھ سکتا ۔

صحتِ عمل

حاضرینِ محترم! صحتِ عقیدہ کے تین بنیادی ستون میں نے عرض کئے **عقیدۂ توحید**، عقیدۂ رسالت اور **عقیدۂ آخرت** ۔ جب انسان ان تین تصورات کو صحیح کر لیتا ہے تو اُس کا عقیدہ سنور جاتا ہے ۔ اب اس عقیدے پر جس عمل کی بنیاد رکھی جاتی ہے وہ عمل عملِ صالح ہوتا ہے تو سورۃ فاتحہ نے نظامِ فکر و عمل کے باب میں صحت عقیدہ کے بعد جو اصول بیان کیا وہ ہے صحتِ عمل ۔ پہلی تین آیتیں صحتِ عقیدہ کا بیان کر چکیں ۔ اب اگلی آیت میں صحتِ عمل کا بیان ہے ارشاد ہوا **اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ** ط بے شک اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ۔ اس آیت کریمہ میں عمل کے دو دائرے بیان کئے گئے ہیں **دائرۂ عبادت** اور **دائرۂ استعانت** اور ان کی صحت کس طرح ممکن ہے اس کی وضاحت آپ کو یاد ہوگا میں اس سے پہلے تصورِ عبادت اور تصورِ استعانت کے باب میں عرض کر دی ۔ اب اُس

کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں میں مختصراً عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ ربط اس نظامِ فکر و عمل کے ساتھ قائم ہو جائے۔

: عبادت کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ پوری زندگی پر محیط ہے۔ اور استعانت کا دائرہ خاص مشکل لمحات کے لئے ہے تو عمل کی اصلاح اور صحت کا معنیٰ یہ ہوا کہ عبادت بھی خالصتاً اللہؑ کے لئے رہے اور استعانت بھی خالصتاً اسی کے لئے۔ الغرض زندگی کا ہر ہر عمل کلیتاً اللہؑ کے لئے خالص ہو اور جب کبھی پریشانیاں آئیں، الجھنیں آئیں، دشواری آئے، مصائب و آلام آئیں اور اگر انسان کے قدم ڈگمگانے لگیں تو اس وقت بھی استعانت کا عمل اللہؑ کے لئے خالص ہو، انسان توکل اور بھروسے کے اعتبار سے مستعان حقیقی فقط اللہؑ جل شانہٗ کی ذات کو جانے اور اس کا دامنِ مراد ہر حال میں فقط اُسی کی بارگاہ میں ٹھہر جائے۔ تو جب انسان کی عبادت اللہؑ کے لئے خالص ہو جائے اور اس کی استعانت بھی حقیقی اعتبار سے اللہؑ کے لئے خالص ہو جائے تو پھر جس شخص کا عقیدہ درست تھا اُس کا عمل بھی سنور گیا۔ اور جب یہ عقیدہ اور عمل دونوں جمع ہو جائیں تو آپ اندازہ کر لیں کہ اُس شخص کی شخصیت میں کتنا نور بھر جائے گا۔ کتنی برکتیں نصیب ہوں گی۔ اللہؑ کا کتنا کرم ہوگا۔

جس کا عمل اللہؑ کے لئے خالص ہو جاتا ہے تو اللہؑ کا تعلق بھی اُس کے لئے بطورِ خاص متعین ہو جاتا ہے۔ ایسے عمل کرنے والوں پر اللہؑ فخر کرتا ہے۔ اپنے ایسے بندوں پر اللہ پاکؑ مباہات فرماتا ہے، خوش ہوتا ہے اور ملائکہ کو ایسا عمل کرنے والے لوگوں کی طرف متوجہ فرماتا ہے کہ فرشتو! دیکھو تم اعتراض کرتے تھے کہ یہ خون ریزیاں

کرے گا۔ اب دیکھو میرے بندے ایسے بھی ہیں۔ آپ اندازہ کریں کہ جس شخص کو عقیدے کی اصلاح کے بعد ایسا عملِ صالح جو اللہ کے لئے خاص ہو نصیب ہو جائے جس پر کہ اللہ فرشتوں میں مباہات فرمائے اُس بندے کا رتبہ کیا ہوگا؟ اس کے درجات کیا ہوں گے اور اُس کی برکات کیا ہوں گی؟

حضراتِ گرامی! جس شخص کی عبادت میں اللہ سے تعلق کی لذت اور حلاوت و شیرینی بھر جائے وہ شخص کہیں بھی ہو اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف معلق رہتا ہے۔ ہماری عبادتیں اس لئے بے سرور ہو گئی ہیں کہ ہم نے تعلق کی بنیاد محبت پر نہیں رکھی۔ علامہ اقبالؒ مرحوم کیا خوب فرماتے ہیں ؎

تیری نماز بے سرور تیرا امام بے حضور
ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر

ہمارے سجدے، ہماری نمازیں، ہمارے اعمال بے لذت ہو گئے، بے سرور ہو گئے کیوں؟ میں اُس کا بنیادی سبب عرض کرنا چاہتا ہوں۔ سمجھ لیجئے۔ آپ شکوہ کرتے ہیں کہ کیا کریں نماز تو بڑی باقاعدگی سے پڑھتے ہیں مگر لطف نہیں آتا۔ سجدے کرتے ہیں، ذکر کرتے ہیں مگر مزا نہیں آتا اور اسی لئے یکسوئی نہیں ملتی۔ ذہن منتشر رہتا ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ بس نماز کی نیت کی اور خیال گردش کرنے لگا حتیٰ کہ سلام پھر گیا اور نماز ختم ہو گئی۔ صحتِ عمل اور صحتِ عقیدہ کے حوالے سے اس کا سبب یہ ہے کہ ہمیں نماز میں لذت نہیں ملتی۔ اگر ہمیں لذت ملنے لگے اور حلاوت ملنے لگے اور کیف و سرور ملنے لگے اور

اللہ کے ذکر اور اللہ کی عبادت میں نشہ نصیب ہونے لگے اور طبیعت مچلنے لگے تو ایمان سے کہیئے یہ خیال کسی اور طرف جانے کا نام لے گا؟ ہرگز نہیں۔ ارے خیال تو تمہارے سر سے پہلے سجدہ ریز ہوگا۔ تو ذہن اس لئے منتشر ہوتا ہے کہ نماز اور عبادت میں لذت اور حلاوت نہیں ملتی اور لذت و حلاوت کیوں نہیں ملتی اُس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا تعلق اللہ جلّ جلالہ سے اور طرح کا قائم کیا جا رہا ہے۔ تعلق اگر محبت کے ساتھ قائم ہو جائے تو سب لذتیں بھول جائیں بس ایک ہی لذت یاد رہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

صوفیائے کرام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ محبت کے ساتھ بندوں کا تعلق باللہ قائم کرواتے ہیں۔ اُن کی ساری تبلیغ کا دارومدار محبت پر ہوتا ہے اور دوستو! محبت جب تعلق میں چھا جائے تو عبادات میں دل لگنے لگتا ہے اور پھر خیال کسی اور طرف جانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔ پھر دل خیال کو زنجیروں میں جکڑ لیتا ہے اور کہتا ہے ارے خیال! جلوۂ محبوب اِدھر ہے تو کدھر جاتا ہے آ اسی میں گم ہو جا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے نمازِ مغرب کی جماعت کروائی اور گھر تشریف لے گئے۔ صحابہ کرامؓ بھی نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے جبکہ کچھ صحابہؓ اللہ جلّ جلالہ کے ذکر اور اس کی یاد کی لذت و حلاوت میں مگن ہو کر وہیں بیٹھے رہے اور اگلی نماز کا انتظار کرنے لگے۔ سبحان اللہ! جیسے محبوب کا خط آئے تو اسے پڑھ کر معلومات تو ملتی ہی ہیں لیکن بات یہیں پر ختم

نہیں ہو جاتی بلکہ محبت خالص ہو تو خط سے اس قدر لذت اور حلاوت نصیب ہوتی ہے آدمی پھر اگلے خط کا انتظار کرنے لگتا ہے اور اگلا خط آنے تک اسی لذت میں مگن رہتا ہے بالکل اسی طرح اللہ سے محبت کرنے والے نماز سے فارغ تو ہو جاتے ہیں لیکن ان کا دل نماز میں ہی رہتا ہے اب ان کو انتظار ہوتا ہے کہ اگلی نماز کا وقت آئے تاکہ پھر ہاتھ باندھ کر محبوب کی بارگاہ میں کھڑے ہو جائیں اور تعلقِ محبت یہ سبق دیتا ہے کہ محبوب دکھائی دے یا نہ دے اس کے جلوۂ حُسن کے تصور میں مگن ہو کر انسان دنیا و مافیہا سے ماورٰی ہو جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا الاحسان ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک بندے! احسان یہ ہے کہ تو عبادت اس طرح کرے کہ تو محبوب کو تک رہا ہے اور اگر تو اسے دیکھ نہ سکے تو کم سے کم یہی تصور کر لے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ میں آپ کو اس کی حکمت سمجھانا چاہتا ہوں کہ دونوں میں لذت کس طرح ملتی ہے۔ پہلی بات تو بڑی آسان ہے۔ اگر محبوب دکھائی دے رہا ہو پھر تو صاف ظاہر ہے کہ دھیان کسی اور طرف جا ہی نہیں سکتا۔ دوستو! جو خوش نصیب محبوب کو دیکھ کر نماز پڑھتے ہیں ان کا تو مسئلہ ہی نہیں۔ جو دل کی آنکھوں سے تک لیتے ہیں، جن کے پردے اُٹھ چکے ہیں، جن کے حجابات مرتفع ہو چکے ہیں اور جو بحرِ حسنِ لازوال کی موجوں میں ہمہ وقت غوطہ زن رہتے ہیں، اُن کا تو خیال کسی اور طرف جا ہی نہیں سکتا۔ مسئلہ تو ہمارے جیسوں کا ہے جنہیں وہ حسن دکھائی نہیں دیتا۔

ان کا خیال کس طرح جمے اور ان کی نماز اللہ کے لئے خالص کس طرح ہو جائے؟ اور ان کا دھیان کسی اور طرف جانے سے کس طرح رُکے؟

دوستو! اس کا علاج بھی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا فَاِنَّهٗ يَرَاكَ اگر نظر نہ آئے تو اِس تصوّر کو پختہ کر لیا کرو کہ بیشک میں اسے نہیں دیکھ رہا لیکن وہ تو مجھے دیکھ رہا ہے۔ اب آپ بتائیں اگر آپ کو یقین ہو کہ محبوب پسِ پردہ بیٹھا ہے اگرچہ ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آ رہا تو کیا پھر بھی آپ کا دھیان کسی اور طرف جائے گا؟ نہیں جا سکتا۔ اور اگر یہ بھی یقین ہو جائے کہ محبوب پردے کے پیچھے بیٹھا ہے اور مجھے دیکھ بھی رہا ہے اور میری باتوں کو سن بھی رہا ہے تو پھر خیال کیسے کسی اور طرف جائے گا اور اگر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ شاید وہ میری باتوں کا جواب بھی دے دے تو پھر دھیان کا عالم کیا ہوگا؟ پوچھئے اُن لوگوں سے جنہیں کبھی کبھی یہ حال نصیب ہوتا ہے۔

سیّدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے لئے اونٹ پر سوار ہوئے مکہ معظمہ پہنچے طواف سے پہلے احرام باندھا اور خاموش کھڑے ہیں۔ لوگ منتظر ہیں عرض کرتے ہیں حضرت: پڑھیئے لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ میں حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں۔ لیکن امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے چہرہ اقدس کا رنگ زرد ہو چکا ہے، آنکھیں جیسے پتھرا چکی ہیں جسم تھر تھر کانپ رہا ہے اور زباں پر جیسے مہرِ سکوت ثبت ہے خاموش متحیر بیٹھے ہیں لوگ آئے عرض کیا حضرت رضی اللہ عنہ! اب مقام ہے لبیك اللھم لبیك کے کلمات الاپیئے۔ آپ فرمانے لگے نہیں، ڈر لگتا ہے۔ پوچھا حضرت رضی اللہ عنہ کیا ڈر لگتا ہے؟

آپ نے رو دیا۔ فرمانے لگے ڈر یہ ہے کہ جب میں کہوں لبیک اے اللہ میں حاضر ہوں تو کہیں یہ جواب نہ آ جائے کہ زین العابدینؒ تیرا آنا قبول نہیں ہے۔ لوگ اصرار کرنے لگے آپ نے زبان مبارک سے فرمایا لبیک اللھم لبیک بس یہ کلمات زبان سے نکلے ہی تھے کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور حج کے مناسک کا وقت آنے تک بے ہوش رہے۔

چنانچہ اگر کم سے کم یہی یقین پختہ ہو جائے کہ محبوب مجھے دیکھ رہا ہے تو ممکن ہی نہیں کہ دھیان کسی اور طرف جا سکے۔ آپ آزما کے دیکھ لیں۔ نماز سے پہلے دو تین منٹ ذرا مراقبہ کر کے اس تصوّر کو پختہ کر لیں کہ فانہ یراک وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ جب یہ تصور پختہ ہو جائے اور یہ خیال دل میں جم جائے پھر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہہ کے ہاتھ باندھ لیں خیال کو جرأت ہی نہیں ہوگی کہ کہیں ہٹ جائے۔ مگر حالتِ نماز میں اُس وقت داخل ہوں جب یہ تصور پختہ ہو جائے کہ مجھے وہ دیکھ رہا ہے۔ آپ دیکھیں گے انشاء اللہ کم خالی اتنے ہی تصور سے آپ کا آدھا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

چنانچہ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ کس طرح عمل اللہ کے لئے خاص ہوتا ہے؟ کچھ صحابہ کرامؓ بیٹھے اگلی نماز کا انتظار کر رہے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اچانک دوڑتے ہوئے گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ آپ کا سانس مبارک پھولا ہوا تھا۔ آپؐ صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا

میرے صحابیو! تمہیں مبارک ہو اللہ کریم نے ابھی ابھی آسمان سے رحمت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ ربِ کریم ملائکہ کے جھرمٹ میں تمہاری طرف اشارہ کرکے فرما رہے ہیں کہ فرشتو! آؤ دیکھو یہ میرے بندے ہیں نماز پڑھ کے فارغ ہو چکے ہیں مگر گھر نہیں جاتے اگلی نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن کی طرف اشارہ کرکے ربِّ کریم فرما دے کہ یہ میرے بندے ہیں۔ ادارہ منہاج القرآن کے زیرِ اہتمام کہیں درسِ قرآن اور کہیں درسِ تصوف کی محفلیں کہیں مجلسِ ذکر، کہیں مجلسِ فکر اسی لئے منعقد کرتے رہتے ہیں کہ شاید کبھی وہ لمحہ آ جائے اور ربِ کریم اس طرف بھی اشارہ کرکے فرما دیں کہ دیکھو یہ میرے بندے ہیں۔ بس جس لمحے اُس کی رحمت کا اشارہ ہو گیا ہمارا کام بن جائے گا۔ حضرات محترم! آپ بھی اسی عقیدے، اسی حسنِ نیت اور اسی حُسنِ طلب کے ساتھ تشریف لایا کریں۔ یہاں جھگڑوں کی بات تو ہوتی نہیں ہے محبتوں کی بات ہوتی ہے۔ یہاں تعلق باللہ جوڑنے کی بات ہوتی ہے اور تعلق بالرسولؐ سنوارنے کی بات ہوتی ہے۔ اسی خیال سے آیا کریں کہ شاید کوئی لمحہ آجائے کہ کٹی ہوئی ڈوریاں پھر سے جڑ جائیں۔

تو اللہ جل مجدہٗ اشارہ فرماتے ہیں کہ فرشتو دیکھو یہ میرے بندے ہیں۔ اپنا ایک فرض ادا کر چکے، نماز سے فارغ ہو چکے مگر اُس کے باوجود اب بھی اگلی نماز کے لئے میرے ذکر میں مگن منتظر بیٹھے ہیں۔ تو جب اللہ جل مجدہ اپنے کسی بندے کو اپنی عبادت میں اس طرح خالص پا لیتا ہے تو اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو

جاتا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ ہر حال میں اپنی عبادت اور استعانت دونوں کو اللہ کریمؐ کے لئے خاص رکھے۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو دیکھیئے۔ جب آتشِ نمرود بھڑکی تو فرشتہ آیا۔ اس نے کہا اگر آپ چاہیں تو میں اس آگ کو بجھا دوں۔ وہ لمحۂ عبادت تھا جب آپ نے بتوں کو توڑا پس وہ گزر چکا تھا اب یہ لمحۂ استعانت ہے۔ فرشتے کے سوال پر آپ نے فرمایا نہیں آج ہی تو امتحانِ بندگی کا وقت آیا ہے۔ ساری زندگی بندگی کرتا رہا۔ آج اس بندگی کے امتحان کا لمحہ ہے اور تو چاہتا ہے کہ اسی میں رہ جاؤں۔ اگر تیری مدد لے لی اور اس وقت تجھ سے کہہ دیا کہ ہاں بجھا دے تو ممکن ہے آواز آجائے ابراہیمؑ! تیری بندگی میں تیری استعانت کا مزا نہ آیا۔ آج بندگی کا امتحان ہے تو دوستو! عبادت بندگی کا نام ہے اور استعانت بندگی کے امتحان کا نام ہے۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ انسان کی عبادت بھی اللہؐ کے لئے خاص ہو جائے اور اس کی استعانت بھی اللہؐ کے لئے خاص ہو جائے۔ اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو صحتِ عمل کی دولت بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ تو حضراتِ گرامی! وقت کی قلت کے سبب میں نظامِ فکر و عمل کا تیسرا نکتہ عرض کر کے مجلس ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اگلے درس میں انشاءاللہ بقیہ پانچ نکات کا بیان ہوگا۔

فکرِ احتساب و مسئولیت

مالکِ یوم الدین ہی کے حوالے سے

نظامِ فکر و عمل کا تیسرا نکتہ یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح متوجہ ہو کہ ہمہ وقت اپنے نفس کا احتساب کرتا رہے اور اللہ کی بارگاہ میں مسئولیت کے احساس سے ہمہ وقت اُس کا دل و دماغ مامور رہے

احتساب اور مسئولیت کے لئے دو دور ہیں ' دو زندگیاں - ایک دارِ آخرت اور دوسری دارِ دُنیا۔ دارِ آخرت تو احتساب و مسئولیت کا گھر ہے ہی مالکِ یوم الدین کے حوالے سے۔ وہ تو آپ سُن چکے مگر یہ مت بُھول جائیے کہ احتساب اور مسئولیت کا ایک نظام اس دنیا میں بھی ہے جہاں قدم بقدم انسان کا احتساب ہوتا رہتا ہے اُس کو مسئولیت کے مختلف پیمانوں سے گزارا جاتا ہے۔ اسے پرکھا جاتا ہے اور اُس کو اپنے کئے کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی رہتی ہے جن کی چشمِ بصیرت وا ہوتی ہے ' جن کی چشمِ عبرت وا ہوتی ہے وہ اِس دنیا کے نظامِ احتساب و مسئولیت سے بہت کچھ سیکھ جاتے ہیں۔ اور جو غافل ہوتے ہیں وہ اس دنیا کے جزا اور سزا کے نظام کو دیکھ کر اور پرکھ کر بھی سیکھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

سُورۃ فاتحہ نے تیسرا سبق نظامِ فکر و عمل کے حوالے سے ہمیں یہ عطا کیا کہ کامیاب انسان وہی ہے جو ہر لمحہ اور زندگی کے ہر قدم پر پلٹ پلٹ کر اپنا احتساب خود کرتا رہے۔ اپنے کئے کا جائزہ لیتا رہے ' اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور اس کے محاسبہ کے اعتبار سے اُس پر جو تنقید کی جائے اُسے خوش آمدید کہتا رہے۔ اُس سے برہم نہ ہو جائے۔ ضروری نہیں کہ تنقید ہمیشہ دُرست ہو ' تنقید غلط بھی ہو سکتی ہے۔

مگر محاسبۂ نفس کا تقاضا اور سلیقہ یہ ہے کہ جب بھی تنقید ہو اسے خوشگوار طریقے سے قبول کیا جائے۔ صبر و استقامت، عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

جو شخص بار بار اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے اور اپنے کئے پر نظر ثانی کرتا رہتا ہے۔ اُس کے غلط سمت اٹھے ہوئے قدم خود بخود راہِ صواب پر اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ اور جو شخص خواہ مذہبی رہنما ہو یا سیاسی قائد وہ جس بھی میدان میں پیشوائی، امامت، رہنمائی اور قیادت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے، اگر اپنے احتساب اور مسئولیت سے بے نیاز ہو جائے اور خود کو احتساب اور تنقید سے بالاتر سمجھنے لگے اُس کی قیادت، قیادت نہیں رہتی بلکہ ایک بُت بن جاتی ہے۔ اُس کے اندر شرک فی النبوت جنم لیتا ہے وہ لاکھ بہتر صلاحیتوں کا حامل کیوں نہ ہو اُس کا ہر قدم اُسے رفتہ رفتہ ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ فکرِ احتساب و مسئولیت نظامِ فکر و عمل کا حصہ ہونے کے ساتھ ساتھ قیادتوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔ قیادتیں یہ سمجھتی ہیں الّا ماشاء اللہ کہ ہمارا حق ہے کہ ہم کارکنوں کا احتساب کریں، پیشوا یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا حق ہے کہ پیروکاروں کا محاسبہ کریں مگر روئے زمین پر بسنے والے کسی متنفس کو یہ حق نہیں ہے کہ اُن سے بھی کچھ پوچھ سکے، ان کا محاسبہ کر سکے اور ان سے جواب طلبی کر سکے۔

جب سے قیادتیں احتساب کے فکر سے بے نیاز ہو گئیں اور تنقید کے ضابطے کو خوش آمدید کہنے سے صرفِ نظر کرنے لگیں تب سے وہ بے اثر ہونے لگیں، ان کی کوششیں بے نتیجہ ہونے لگیں، ان کی مساعی اپنے منزلِ مقصود تک پہنچنے میں ناکارہ ہو کر رہ گئیں اور نتیجہ یہ

ہوا کہ ایسی قیادتیں پُوری بستی چلی گئیں اُن کے اونچے قد باقی نہ رہے۔ اونچے قد اُنہی کو نصیب ہوتے ہیں جو ہمہ وقت احتساب اور تنقید کے لئے اپنا سینہ کھلا رکھتے ہیں۔

سیرت النبویؐ اور فکرِ احتساب :

آئیے! آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں دیکھیں کہ آپ نے اپنے عملِ مبارک کے ذریعے احتساب اور مسئولیت کا کیا معیار عطا کیا۔ رمضان المبارک کا عشرۂ آخر ہے۔ آقاؐ اعتکاف میں بیٹھے ہیں۔ صحیح بخاری میں آتا ہے "کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک زوجہ مطہرہؓ آپ کی بارگاہِ اقدس میں زیارت کے لئے اور بعض مسائل پر گفتگو اور رہنمائی حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتی ہیں۔ رات کو دیر ہو جاتی ہے وہ واپس گھر جانا چاہتی ہیں۔ اُن کا حجرہ مبارک مسجد کے ساتھ متصل نہیں بلکہ گلی کے کونے پر تھوڑے فاصلے پر ہے۔ حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ کوئی ایسا شخص نہیں جس کے ساتھ ان کو روانہ کرکے گھر تک پہنچایا جائے۔ خود اٹھے۔ آپؐ معتکف ہیں مگر خود اٹھے۔ مسجد نبویؐ سے باہر گلی میں اپنی زوجہ مطہرہؓ کو گھر تک پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے۔ علمائے کرام مسئلہ اعتکاف کے باب میں سمجھ لیں کہ یہ بھی حاجت ہے۔ ساتھ لے جا رہے ہیں۔ راستے میں ایک صحابیؓ کا قریب سے گزر ہوا، اندھیری رات تھی۔ انہوں نے سلام عرض کیا حضورؐ نے جواب عطا فرمایا۔ چل پڑے۔ اتنی دیر میں آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے قدم مبارک رکے آپؐ نے اس شخص کو آواز دی اور فرمایا: اے جانے والے! یہ خاتونؓ جو میرے ساتھ جا رہی ہے میری بیوی ہے۔ وہ صحابیؓ لرزہ براندام ہو گیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

کیا کوئی بدبخت اس کے علاوہ بھی کچھ اور تصوّر کر سکتا ہے؟ آپؐ نے مجھے یہ بات ارشاد فرمانے کی ضرورت کیوں محسوس فرمائی؟ آقاؐ نے فرمایا کہ شیطان خون کی طرح انسان کے رگ و پے میں سرایت کرتا ہے۔ کیا خبر کس وقت، کس کے بارے میں کس قسم کا وسوسہ پیدا کر دے خدانخواستہ قبل اس کے کہ وہ اس قسم کا وسوسہ ڈال دیتا میں نے اُس سے پہلے اس کی صفائی دے دی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تصور سمجھا دیا کہ کسی کے بارے میں بھی شیطان کوئی وسوسہ ڈال سکتا ہے۔ وہ تو شیطان ہے اُس کا کام ہی شیطنت ہے تو وسوسہ کسی بھی مومن کے دل میں ڈال سکتا ہے۔ تو دوستو! اگر اس صحابیؓ کے دل میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نسبت ایسا وسوسہ آجاتا تو اُسی لمحے اس کا ایمان جاتا رہتا۔ تو آقاؐ نے وضاحت فرما کر نہ صرف اپنے تصورِ احتساب کو بیان فرمایا بلکہ اُس صحابیؓ کے ایمان کو بھی تلف ہونے سے بچا لیا۔ تو اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص یہ سمجھ لے کہ غلط یا صحیح کوئی بھی وسوسہ دل میں آسکتا ہے اور وسوسہ پیدا ہو جائے۔ بیشک غلط ہی کیوں نہ ہو وہ اس کا اظہار بھی کر سکتا ہے اور یہ اس کا حق ہے۔ سو اگر کہیں ایسا وسوسہ پیدا ہو اور کوئی سوال کرے تو خندہ پیشانی سے قبول کرو بجائے اس کے کہ تم غصے میں آجاؤ کہ تم ہوتے کون ہو میری نسبت یہ کہنے والے؟ تمہیں میرے اوپر اعتراض کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ تو نے میرے بارے میں یہ گمان کیسے کیا؟ یہ جتنے فقرے ہیں اور میرے کے ساتھ نکلیں گے سب کے سب بُت بناتے چلے جائیں گے۔ احتساب اور خود تنقیدی کا فکر پیدا ہو جائے تو یہ بُت

پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ پھر تواضع اور انکساری آجاتی ہے۔ انسان کے اندر اصلاح کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ اور غلطیاں نہ ہوں تو برکتیں نصیب ہوتی ہیں اور ہوں تو خود بخود اصلاح ہو جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاد کے لئے صفیں بناتے ہوئے لوگوں کو پیچھے کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں آپؐ کا قدم مبارک ایک صحابیؓ کے پاؤں پر آگیا۔ آپؐ کو محسوس ہوا کہ میرا قدم اُس کے پاؤں پر آیا ہے۔ کہیں زیادہ سختی سے نہ آگیا ہو۔ قدم پر پھول آئے اور پھول سمجھے کہ کہیں قدم پہ داب زیادہ نہ آگئی ہو۔ اللہ اکبر! قربان جائیں اُس شخص کے قدموں کے بخت پر جس پر حضورؐ کا مبارک قدم آیا۔ اُس کی تو خوش نصیبی کا ستارہ چمک اُٹھا۔ مگر چونکہ قدم حضورؐ کا آگیا تھا ساری رات سو نہیں سکے، پریشان رہے۔ طبیعت میں اضطراب رہا۔ علی الصبح اُٹھے، نماز سے فارغ ہوئے۔ وہ شخص اپنے گھر میں تھا۔ اُسے یہ خیال گزرا کہ میں ذرا آگے کھڑا تھا اس لیے حضورؐ کا قدم مبارک میرے پاؤں پہ آیا۔ کہیں میرا یہ عمل حضورؐ کو ناگوار خاطر نہ گزرا ہو لہٰذا میں جا کر معافی مانگتا ہوں۔ یہ بھی آدابِ صحبت ہیں۔ وہ شخص ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اُس کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ باہر نکلا تو آقائے دوجہاںؐ دروازے پہ تشریف فرما ہیں۔ وہ شخص کانپ اٹھا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں میں تو آپؐ کے حضور حاضر ہونے ہی والا تھا۔ آپؐ کیسے تشریف لائے۔ فرمایا: اے شخص میں رات بھر سو نہیں سکا یہ خیال پریشان کرتا رہا کہ میرا قدم تیرے پاؤں پر آگیا تھا۔ کہیں تجھے تکلیف نہ ہوئی ہو۔ قبل اس کے کہ قیامت کے دن بدلہ دینا پڑے خدا کے لئے مجھے معاف کر دے۔

دوستو! یہ فکرِ احتساب ہے جو لوگ ہمہ وقت اللہؐ کی جناب میں حاضر ہونے اور جواب دینے کے تصور میں سرشار رہتے ہیں اِدھر اپنے نفس کا محاسبہ خود ہی کرتے رہتے ہیں اُدھر تنقیدوں کو خوش گواری کے

ساتھ قبول بھی کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اصلاح خود بخود ہوتی چلی جاتی ہے۔ انہیں پھر اصلاح کے لئے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اُن کے قدم غلط سمت بھی اُٹھ جائیں تو خدا پکڑ کر درست سمت کر دیتا ہے کیونکہ وہ اللہؐ کے حضور جواب دہی کے تصور میں جھکے رہتے ہیں۔ نفس کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں۔ تو جو کچھ ان کے بس میں ہو وہ کرتے رہتے ہیں اور جو اُس کے بس میں ہے وہ کرتا رہتا ہے۔ اس لئے آج اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری مساعی اور ہماری کاوشیں ثمر بار ہو جائیں، نتیجہ خیز ہو جائیں تو اس کا بنیادی راز یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو محاسبۂ نفس کی کسوٹی پر لے آئیں۔ ہمہ وقت اپنے گلے میں محاسبۂ نفس کی ڈوری ڈالے رکھیں۔

سیدنا امامِ اعظمؒ:

جس پر اللہؐ کی جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہوتی ہیں اُسی کثرت کے ساتھ حسد بھی کیا جاتا ہے۔ سیدنا امامِ اعظمؒ کے ساتھ کیا کم مخالفتیں ہوئیں؟ اور دوستو! جتنی بھی مخالفتیں اور تنقیدیں آپ پر ہوئیں فقط حسد کی بنا پر ہوئیں تو میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ سیدنا امامِ اعظمؒ سے حسد کرنے والے کون لوگ تھے۔ کیا امرا ہوں گے؟ خلفا ہوں گے، تاجر ہوں گے؟ ان سے حسد کس کو تھا فقط اہلِ علم کو تھا جو اِن کے میدان میں تھے۔ حسد ہمیشہ ہم عصر اور ہم پیشہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ تاجر سے تاجر حسد کرتا ہے۔ ڈاکٹر سے ڈاکٹر حسد کرتا ہے۔ حکیم سے حکیم، طبیب سے طبیب، آرکیٹکٹ سے آرکیٹکٹ، انجینئر سے انجینئر اور عالم سے عالم حسد کرتا ہے۔

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ کیسے عظیم بن گئے۔ اِن کی عظمتوں کا راز یہ تھا کہ یہ جانتے تھے کہ زبانِ طعن دراز ہو رہی ہے۔ غلط الزامات لگائے جا رہے ہیں مگر چونکہ اپنے آپ کو احتساب

کے لئے پیش کر رکھا ہے اس لئے متواضع رہے۔ صبر اور شکر سے کام لیا۔ نوبت یہاں تک آپہنچی کہ آپ کے مخالفین نے ایک شخص کو آپ کو گالیاں دینے پر متعین کر دیا۔ آپ بازار میں جا رہے ہیں وہ پیچھے پیچھے آپ کو گالیاں بکتا آ رہا ہے۔ آپ سر نیچے کئے اپنے حال میں مست جا رہے ہیں۔ وہ گالیاں دے دے کر جب تھک گیا اور آپ نے جواب تک بھی نہ دیا۔ تو اس کو مزید غصہ آیا۔ وہ آتشِ غضب میں بھڑک اٹھا اور چلا کے کہنے لگا کہ ابو حنیفہ! کیا تو نے مجھے کتا سمجھ لیا ہے میں تمہیں مسلسل گالیاں دیتا چلا آ رہا ہوں اور تو جواب ہی نہیں دیتا۔ آپ مسکراتے ہوئے چلتے رہے مڑ کے بھی نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے گھر تک پہنچے تو دروازے سے باہر رک گئے۔ اور اس وقت گالیاں دینے والے کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ اے دوست! اب میرا گھر آ گیا ہے اور میں اندر حویلی میں جانے لگا ہوں تو بتا اگر تیری تسکین ہو گئی ہے اور تیری طبیعت سیر ہو گئی ہے تو پھر میں اندر چلا جاتا ہوں ورنہ میں تھوڑی دیر رک جاتا ہوں تم مزید گالیاں دے لو جب تسلی ہو جائے گی تو چلا جاؤں گا۔ وہ شخص شرم اور ندامت سے جھک گیا۔

آپ کی سوانح اور سیرت کی کتابوں میں یہاں تک درج ہے کہ ایک روز آپ کے حاسدوں اور مخالفوں نے ایک بدقماش آدمی کو متعین کر دیا۔ آپ جا رہے تھے وہ آپ کو گالیاں دیتے تنگ گیا اور جب اس نے دیکھا کہ گالیوں کا کوئی ردعمل نہیں ہوا تو اس نے آپ کے چہرہ اقدس پر طمانچہ دے مارا۔ آپ رک گئے اُسے فرمانے لگے کہ اے شخص تیرے اس طمانچے کی شکایت اگر میں خلیفہ سے کرنا چاہوں۔ انتقام کے لئے تو کر سکتا ہوں مگر ایسا نہیں کروں گا۔ تیرے اس طمانچے کی شکایت اگر میں اللہ کی جناب میں پچھلی رات مصلے پہ کھڑا ہو کر کرنا چاہوں تو انتقاماً کر سکتا ہوں۔ مگر ایسا نہیں کروں گا۔ اور

تیرے اس طمانچے کی شکایت اگر میں قیامت کے دن اللہؑ کی عدالت میں کرنا چاہوں انتقاماً تو کرسکتا ہوں مگر ایسا نہیں کروں گا۔ یاد رکھو مجھے اللہؑ کی عزت کی قسم اگر قیامت کے دن اللہؑ نے ابو حنیفہؓ کی بات مان لی تو میں یہ عرض کروں گا کہ باری تعالیٰ میں اس وقت تک جنت میں نہیں جاتا جب تک تو اس شخص کو میرے ساتھ نہ بھیج دے۔

امام اعظم ابو حنیفہؓ صبح سے شام تک مسند درس پر فائز رہے۔ عشاءؒ کی نماز ہوئی گھر چلے گئے۔ کسی نے سمجھا کہ صبحؑ سے شام تک طلباءؑ کو پڑھانے والا' رشد و ہدایت کی مسند پر بیٹھ کر فتویٰ جاری کرنے والا امام جس نے ماسوائے بعد از ظہر تھوڑا آرام کرنے کے سارا دن آرام نہ کیا ہو اب رات کو کیسے جاگ سکتا ہے۔ شاید اب وہ جا کر آرام کریں گے مگر وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد آپ لباس بدل کر پھر مسجد میں حاضر ہو گئے اور ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔ مسجد میں ایک شخص کا چراغ جل رہا تھا وہ کہتا ہے کہ میں ساری رات امام ابو حنیفہؒ کو تکتا رہا۔ فجر کی آذان ہو گئی۔ امام اعظمؒ کے ہاتھ اپنی داڑھی پر تھے اور کھینچ کھینچ کر اپنے ربؒ کی بارگاہ میں التجا کرتے رہے کہ باری تعالیٰ ابو حنیفہؒ کو بخش دینا۔ ابو حنیفہؒ کو معاف کر دینا۔ نماز فجر کے لئے آذان ہو گئی۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں آگے بڑھا تاکہ دیا بجھا دوں تو امام اعظمؒ نے مجھے دیکھ لیا۔ جب میں قریب پہنچا تو دیکھ کر فرمانے لگے کہ کیا عشاءؒ کے بعد گھر جانے لگے ہو اور اپنا دیا اٹھانے کے لئے آئے ہو۔ میں نے عرض کیا: نہیں حضور! اب دیا اٹھانے کا نہیں' دیا بجھانے کا وقت آگیا' فجر ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: جو کچھ تم نے دیکھا خداؒ کے لئے کسی کو بیان نہ کرنا۔

ایک نوجوان ولی اللہ کی سرگزشت: بابا فرید گنج شکر

رحمۃ اللہ علیہ اسرارالاولیاءؒ میں ایک نوجوان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ ساری عمر کثرت کے ساتھ گریہ وزاری کرتا رہا۔ رات جب عشاءؒ کی نماز کے بعد اپنے کمرے میں جاتا تو اپنے گلے میں رسہ ڈال لیتا اور ساری رات اللہؒ کی عبادت میں مصروف رہتا۔ جب سجدے میں جاتا تو رسے کی وجہ سے اس کے گلے کو کھینچ پڑتی اور وہ رو رو کر اللہؒ کی بارگاہ میں عرض کرتا کہ میرے اللہؒ یہ گلے میں رسہ ڈال کر کھڑا شخص تیرا مجرم ہے۔ تیری بندگی اور عبادت سے بھاگا ہوا ہے۔ تجھے تیری رحمت کا واسطہ اسے معاف کر دینا۔ اس کی ساری زندگی یونہی گزری۔ گلیوں میں چلتا تو اس کے آنسو بہتے، اس پر رقت ہوتی، رونگٹے کھڑے رہتے۔

جس جوان کی زندگی کی ساری راتیں اللہؒ کے حضور گریہ و بکا میں گزر گئیں۔ جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنی والدہ سے کہا امی جان میرا وقتِ رخصت قریب ہے۔ میں دل میں تین آرزوئیں رکھتا ہوں اور میں وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ وعدہ کریں کہ تینوں باتیں پوری کر دیں گی۔ اور بابا فرید گنج شکر فرماتے ہیں کہ اس کی والدہ نے وعدہ کر لیا۔ فرمایا بیٹا میں تیری تینوں شرطیں پوری کردوں گی۔ بتا کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا امی جان میں ساری زندگی اللہؒ کی عبادت اس کی اطاعت اور اس کی بندگی سے بھاگا رہا ہوں۔ میں نے مجرمانہ زندگی بسر کی ہے۔ اب میں اس کے حضور جا رہا ہوں۔ پہلا کام تو یہ کرنا کہ جب میری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے تو رسہ لے کر میرے گلے میں ڈال دینا اور گھر کے صحن میں لوگوں کے سامنے گھسیٹنا اور گھسیٹ کر یہ کہنا کہ یہ مجرم تھا۔ خداؒ کی اطاعت سے بھاگا ہوا تھا اور ایسے مجرموں کا حشر یہی ہوتا ہے اور دوسری درخواست یہ ہے کہ میرا جنازہ رات کے اندھیرے میں اٹھانا۔ کہیں میرے گناہوں کو تکنے والے لوگ

دیکھ کر یہ نہ کہہ دیں کہ گناہ گار بدبخت کا جنازہ جا رہا ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ جب میں دفن کر دیا جاؤں اور لوگ پلٹ کر چلے جائیں تو آپ خدا کے لئے کچھ دیر میری قبر پر کھڑے رہنا کہ جب عذاب کے فرشتے مجھے عذاب دینے کے لئے آئیں تو میرے پاس بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوگی ۔ شاید آپ کے قدم دیکھ کر معاف کر دیں ۔

وہ جوان انتقال کر گئے ۔۔ والدہ ماجدہ نے حسبِ وعدہ رسہ اٹھایا ۔ اُس جوان کے گلے میں ڈالنے کے لئے ہاتھ بڑھے ۔ اُسی وقت ہاتفِ غیب سے ربِ کریمؒ نے آواز دی کہ اے اِس نوجوان کی ماں ! رُک جا ! مجھے اپنی عزت کی قسم یہ میرا محبوبؒ تھا ۔ میرا دوستؒ تھا ۔ میرا عاشقؒ تھا ۔ اور عاشقوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جاتا ۔

حضرت مالک بن دینارؒ :

پوچھئے مالک بن دینارؒ سے ، سو برس کے قریب عمر ہو چکی ہے ۔ داڑھی سفید ہو چکی ہے ۔ کمر بڑھاپے کی وجہ سے جھک چکی ہے ۔ سیدھا کھڑے نہیں ہو سکتے لیکن ساری رات عشاءؒ کی نماز کے بعد فجر تک اللہؒ کی بارگاہ میں کھڑے رہتے ہیں ۔ امام شعرانی بیان کرتے ہیں کہ دیکھنے والے بیان فرماتے ہیں کہ بڑھاپے کی حالت میں ساری رات اپنی سفید داڑھی ہاتھ میں لے کر کھینچتے اور رو رو کر التجا کرتے کہ باری تعالیٰ مالک بن دینارؒ کے بڑھاپے پر کرم کر دے ۔ یہ کمزور جسم تیری دوزخ کے قابل نہیں ہے ۔ اِس کو معاف کر دے ۔ دوستو! جن کو احتساب کی یہ فکر ہوتی ہے ان کی راتیں اللہؒ کی بارگاہ میں اس طرح بسر ہوتی ہیں ۔

عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کرنے والے اور ساری ساری رات خدا کے حضور "والذین یبیتون لربہم سجدا و قیاما" کی عملی تصویر بن کر رہنے والے یہ لوگ تھے جن کو فکرِ احتساب تھا ' جن کو فکرِ آخرت تھا اس فکر نے ان کو بلند کر دیا۔ آج قیادتیں ' مذہبی پیشوائیاں اور دینی پیشوائیاں اگر چاہتی ہیں وہ تاثیریں وہ برکتیں ' وہ نتیجہ خیزیاں اور انقلاب انگیزیاں پھر پلٹ کر آجائیں اور ایک نگاہ سے انقلاب آنے لگیں صحبتوں سے کایا پلٹنے لگے اور احوالِ حیات کے رخ بدلنے لگیں تو ایسا محاسبہ نفس اور ایسا فکرِ احتسابِ آخرت پھر پیدا کرنا ہوگا۔ اگر یہ درد و سوز پلٹ کر ہماری زندگیوں میں آگئے تو آپ سمجھ لیجیئے گا کہ بیتے ہوئے دنوں کی عظمت پھر پلٹ آئے گی۔

حاضرینِ محترم! آج ہم نے نظامِ فکر و عمل کے تین نکتوں پر گفتگو کی۔ باقی پانچ نکات ان شاء اللہ اگلے درسِ قرآن کے موقع پر بیان کریں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ سب کی حاضری اور مجلس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعلینِ پاک کے تصدق سے قبول فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

بلغ العلیٰ بکمالہٖ

کشف الدجیٰ بجمالہٖ

محمد

حسنت جمیع خصالہٖ

صلوا علیہ وآلہٖ

سعدیؒ